کشمیر میں فارسی شاعری کا عہد زریں

ڈاکٹر ممتاز صادق خان☆

صاحبان نظر اور اہل علم کشمیر کو ایران صغیر کہتے رہے ہیں۔ کشمیر کو ایران صغیر کہنے کی ایک وجہ ہر دو منطقوں میں پائی جانے والی جغرافیائی اور موسمی مماثلت بھی ہے لیکن اس کا اصل سبب یہ ہے کہ کشمیر ایک طویل مدت تک فارسی شعر و ادب اور ایرانی تہذیب کے زیر اثر رہا ہے۔ کشمیر میں فارسی کے واضح آثار اسلامی حکومت کے قیام (۱۳۲۰ء) کے ساتھ محسوس کئے جاتے ہیں، لیکن محققین کا اندازہ ہے کہ اسلامی عہد سے قبل بھی ریاست کشمیر میں محدود حد تک فارسی کا عمل دخل ضرور رہا ہے۔ ڈاکٹر صابر آفاقی اپنی کتاب ''عکس کشمیر'' میں فارسی کے اثر و نفوذ کی کھوج لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پنڈت کلہن نے راج ترنگنی (مولفہ ۱۱۴۹ء) میں دویرا اور گنجور جیسے الفاظ برتے ہیں جو فارسی کے نفوذ کا پتہ دیتے ہیں۔''(۱)

لیکن تاریخ و ادب کے محققین اس امر پر متفق ہیں کہ کشمیر میں فارسی نے اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی باقاعدہ قدم رکھا جیسا کہ پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں:

> ''مسلم حکومت کے ظہور کے ساتھ فارسی جو کہ عباسیہ عہد کے اسلامی تمدن کی زبان تھی، وادی میں بھی متعارف ہوئی اور جلد ہی سنسکرت سے

☆ لیکچرر، گورنمنٹ کالج راولاکوٹ، آزاد کشمیر

آنکھیں ملانے کے قابل ہوئی حتی کہ مغلوں نے جب اسے درباری زبان بنا لیا تو اس کے سامنے سنسکرت کا چراغ گل ہوگیا، نہ صرف مسلمان بلکہ ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنا شروع کر دی اور وقت گزرنے پر اس ملک نے فارسی کے بڑے بڑے مقامی ارباب علم و دانش اور مصنف پیدا کئے۔"(۲)

۱۳۷۷ء کے سال کو اسلامی عہد کے کشمیر میں خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس سال ایک ایسی روحانی، علمی اور رجحان ساز شخصیت کشمیر تشریف لائی جس نے کشمیر کے مذہبی، سماجی، تہذیبی اور لسانی تاریخ پر انمٹ نشان چھوڑے۔ آپ سید علی شاہ ہمدان تھے جو تبلیغ اسلام کی غرض سے ایران سے کشمیر آئے۔ بقول ڈاکٹر صابر آفاقی:

"شاہ میری عہد میں ایران و ترکستان سے آنے والے سینکڑوں علماء وصوفیاء کی بدولت کشمیر میں مکمل فکری وتہذیبی انقلاب رونما ہوگیا۔ ان علماء میں سید علی ہمدانی قابل ذکر ہیں۔ مسلمان نیا تمدن اور نئی معاشرت ساتھ لائے۔ اخلاق، آداب، ادب و فنون یہاں تک کہ نیا لباس، نیا سامان آرائش، نئے کھانے اور نئی صنعتیں اپنا لی گئیں۔"(۳)

امیر کبیر حضرت شاہ ہمدان بلند پایہ عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ کی فارسی اور عربی کتابوں کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ تحائف الابرار کے مصنف نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۷۰ لکھی ہے (۴) آپ کی تصانیف میں "معرفت زہد"، "چہل حدیث"، "کشف الحقائق"، "دہ قاعدہ" اور "رسالہ مکتوب" قابل ذکر ہیں۔ شاہ ہمدان کے ساتھ ایران سے سات سو سادات اور علماء بھی کشمیر تشریف لائے۔ آپ کی پر اثر تبلیغ سے نہ صرف اہل کشمیر جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے بلکہ اس دوران میں وہ فارسی زبان کی شیرینی اور لمس کو بھی خوب محسوس کرنے لگے۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ کشمیری سلاطین خود بھی فارسی کے قدر دان اور علم

و ادب کے رسیا تھے، ان سلاطین نے فارسی زبان کی ترویج کے لئے کئی ایک مکتب و درس گائیں قائم کیں۔ سلطان قطب الدین نے سری نگر میں ایک ایسی درسگاہ قائم کی جہاں اساتذہ اور طلباء کو اقامتی سہولتیں میسر تھیں۔ اس درسگاہ میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی علوم کی تدریس بھی کی جانے لگی، پھر سلطان زین العابدین نے اپنے عہد میں نوشہرہ کے مقام پر ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ ملا کبیر نحوی اس دار العلوم کے مہتمم تھے۔ اس دارالعلوم کے ساتھ ایک دار الترجمہ بھی قائم تھا جس میں سنسکرت اور عربی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا جاتا تھا۔ اس شعبہ کی نگرانی ملا احمد کشمیری اور پنڈت دانش کے سپرد تھی۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ کشمیر میں فارسی کی جانب صرف مسلمان ہی راغب نہیں ہوئے بلکہ ہندو پنڈت بھی اس زبان کو اپنانے اور اسے فروغ دینے میں پیش پیش رہے۔ کشمیری پنڈتوں اور ہندوؤں کو فارسی کی جانب راغب کرنے کا سہرا سلطان زین العابدین بڈشاہ کے سر جاتا ہے۔ محمد عبداللہ قریشی اپنے مضمون ''کشمیر میں فارسی شاعری'' میں بڈ شاہ کے ان اقدامات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''بڈ شاہ نے کشمیری پنڈتوں کو بھی ترغیب دی کہ وہ فارسی زبان سیکھ کر حکومت کے عہدے سنبھالیں۔ اس گروہ میں جس نے سب سے پہلے فارسی زبان کی طرف توجہ کی وہ سپرو کہلایا۔ سپرو کشمیر میں اس شخص کو کہتے ہیں جس نے سب کچھ پڑھ لیا ہو یا جس نے پڑھنے میں سبقت لی ہو۔ علامہ اقبال کا خاندان سپرو پنڈتوں سے تعلق رکھتا تھا۔ کشمیری پنڈت کثیر تعداد میں شہمیری سلاطین، چک بادشاہوں، مغل اور افغان حاکموں، سکھ اور ڈوگرہ راج میں حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ہمیشہ فائز رہے۔ مجلسی زندگی میں بھی ان کا وقار بلند رہا اور وہ فارسی کو اپنی زبان سمجھ کر اس میں دلی جذبات و خیالات کا اظہار کرتے رہے۔''(۵)

کشمیری ہندوؤں کا فارسی کی طرف راغب ہونا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ایک طرف تو ان کے لئے منفعت کا باعث ہوا تو دوسری طرف یہ رجحان فارسی زبان و ادب کی نشوونما اور ترویج کا باعث ہوا۔ اگر ریاست میں یہ زبان صرف مسلمانوں تک محدود رہتی تو ممکن تھا کہ نشوونما اور ارتقاء کے وہ مراحل طے نہ کرسکتی جس کے نتیجے میں کشمیر فارسی علم وادب کا گہوارہ بنا اور ایران صغیر کہلایا۔ سلطان زین العابدین کے بعد شہمیری سلاطین کا عہد خانہ جنگی اور خلفشار کا شکار ہوتا گیا، اس کے باوجود زبان کے ارتقاء کا وہ عمل جو گزشتہ دور میں شروع ہوا تھا وہ مسلسل جاری رہا۔

شہمیری خاندان کی حکومت کے خاتمے (۱۵۴۰ء) کے بعد کشمیر میں چک برسراقتدار آئے۔ چک حکمران بنیادی طور پر شیعہ عقائد کے حامل تھے، چنانچہ ایران کی زبان کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں محمد امین مستغنی، میر علی، ملا فانی اور مہری جیسے شاعر منظر عام پر آئے، جن کی شاعرانہ صلاحیتوں کا زمانہ معترف ہے۔

چک حکمرانوں میں یوسف شاہ چک اور حسین شاہ چک خود بھی اچھے شاعر تھے۔ یوسف شاہ کے متعلق محققین نے لکھا ہے کہ وہ کشمیری اور ہندی زبانوں میں بھی شاعری کرتا ہے اس کے ہندی شعر دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن ان دونوں کے فارسی اشعار کشمیر میں زبان زد عام و خاص رہے ہیں۔ تذکرہ شعرای کشمیر بخش چہارم اور کئی دوسرے تذکروں میں ان کے مندرجہ ذیل فارسی اشعار ملتے ہیں۔

دل پر درمن جانان بسان غنچہ پر خون است
چہ بیرحمی پرسیدی کہ احوال دلت چون است
کاسۂ سرشد قدح ، از گردش دوراں مرا
دارد این زیر خراب آباد سرگردان مرا
بریادد و زلف بت کشمیر نزادی
شد تار سرومار سر از گریۂ چشم (یوسف شاہ)

حمائل کردہ تیغ و بستہ خنجر، یار میآید
دلا برخیز! کاری کن، کہ جان درکار میآید
آن ترک آل پوش سوا رسمند شد
یاراں! حذر کنید کہ آتش بلند شد(۶)　　(حسین شاہ)

فارسی شاعری کا سنہری دور

کشمیر میں چکوں کے بعد مغلوں کا دور آیا جو کہ ۱۵۸۷ء سے ۱۷۵۶ء تک محیط ہے۔ اس دور میں کشمیر بلند پایہ شعر و سخن کا مرکز بن گیا۔ اسی عہد میں فارسی کو سرکاری اور درباری زبان کا درجہ دیا گیا اور مغلوں کی علم نوازی اور ادب پروری نے کشمیر میں فارسی علم و ادب اور خصوصاً شعر و ادب کے نئے باب کھول دیئے۔ اس عہد کو کشمیر میں فارسی شاعری کا عہد زریں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ پروفیسر عبد القادر سروری اپنی تصنیف ''کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ'' میں مغلیہ عہد میں علمی فروغ کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''کشمیر میں مغلوں کے تسلط کے بعد علم و ادب اور شاعری کی ترقی کے لئے نئی راہیں کھلیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سارا تہذیبی سرمایہ جو مغلوں کی حکومت ہند کے عروج کے دور میں نشو ونما پایا اس کا حقدار کشمیر بھی بنتا گیا۔ پیر غلام حسین مورخ کشمیر اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:
> درحکومت شاہان مغل بازار شعر و سخن بسیار گرم بوذ'' (۷)

اسی سلسلے میں محمد عبداللہ قریشی مدیر ''ادبی دنیا'' لاہور اپنے مضمون کشمیر کی فارسی شاعری میں لکھتے ہیں:

> ''تیموریوں کے ذوق سخن پروری، فیاضی اور قدر دانی کی بدولت فارسی شاعری معراج کمال تک پہنچ گئی اور گھر گھر پھیل گئی۔ ہر طرف شعر و شاعری کے چرچے رہنے لگے۔ فارسی شاعری کا آفتاب

نصف النہار پر چمکنے لگا۔ اس وقت درباری اور ملکی زبان فارسی تھی اور چونکہ یہ زبان انسانی جذبات کی ترجمانی، قلبی واردات کی ادائیگی اور صوفیانہ خیالات کی وجد آفریں کیفیتوں کے بیان کے لئے نہایت موزوں ہے اس لئے کشمیری شعراء نے بھی اپنے خیالات و تاثرات کے اظہار کے لئے اسی کو منتخب کیا اور اس میں وہ جولانیاں دکھائیں کہ اہل زبان بھی دنگ رہ گئے۔ کشمیر فارسی شاعری کا نہایت زبردست مرکز بن گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے فارسی شاعری نے جنم ہی اسی جگہ سے لیا ہو۔ کشمیر کو ایران صغیر بے وجہ نہیں کہا گیا۔ علوم و فنون کی قدردانی اور باکمالوں کی سرپرستی کے اعتبار سے تیموریوں کی سلطنت کا زمانہ پاک و ہند کا روشن ترین زمانہ ہے۔''(۸)

مغلیہ عہد میں فارسی کی روز افزوں حوصلہ افزائی اور سرکاری سرپرستی کے باعث اہل کشمیر کی اپنی مادری زبان بھی پس منظر میں چلی گئی۔ کشمیری ہندوؤں نے بھی کشمیری زبان سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری صلاحیتوں کے باوجود کشمیری زبان اپنے ہی ملک میں دب کر رہ گئی اور وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو اپنی وسعت کے باعث اسے حاصل ہونا چاہئے تھا۔

اس عہد میں فارسی علوم و فنون اور شاعری کے فروغ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ایران سے نامور شعراء، مغل بادشاہ اکبر کی علم پروری اور ادب نوازی کا شہرہ سن کر ہندوستان کا رخ کرتے تھے، یہاں فیضی اپنی جماعت کے ساتھ موجود تھا۔ علم و ادب کی محفلیں برپا ہوتیں تھیں، مشاعرے ہوتے اور مقابلے پر قصائد لکھے جاتے اور یوں مقابلے اور مسابقے کی فضا ہر وقت قائم رہتی تھی۔ موسم گرما میں شاہان ہند اپنے امراء کے ساتھ سیر و تفریح کی خاطر کشمیر آتے۔ کشمیر کی آب و ہوا اہل ایران کے لئے باعث کشش تھی، اسی لئے یہ ممکن نہ تھا کہ جو

ایرانی ہندوستان آتا وہ کشمیر نہ آتا، چنانچہ مغل بادشاہ جب بھی کشمیر آتے ایرانی شعراء و علماء ان کے ساتھ ہوتے حتیٰ کہ نامور فارسی شاعر عرفی کا اکبر کے ساتھ کشمیر آنا ثابت ہے بقول مولف خزانہ عامرہ:

> ''اکبر فتح کشمیر کے بعد تین بار کشمیر کی سیاحت کرنے آیا۔ پہلا سفر ۹۹۷ھ بمطابق ۱۵۸۷ء میں کیا۔ اس سفر میں شہزادہ سلیم، شہزادہ مراد، خان خانان، حکیم ابو الفتح گیلانی، ابو الفضل فیضی اور بہت سے دیگر امراء اور مصاحب ہمراہ تھے۔ اسی سفر میں نامور فارسی شاعر عرفی بھی آپ کے ہمرکاب تھا۔ اس سفر میں اکبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا عرفی کو انعام کے طور پر عطا کیا۔ عرفی کو گھوڑا پسند نہ آیا اور گھوڑے کی ہجو کہی جو خاصی مشہور ہوئی۔''(۹)

''ان مغل بادشاہوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً کشمیر آنے والے شعراء میں بعض کو حسن کشمیر اس قدر دامن گیر ہوا کہ انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اور بعض نے موت بھی یہیں قبول کی۔ کشمیر میں وفات پانے والے شعراء میں ملا ظفر مشہدی، حاجی جان محمد قدسی مشہدی، میر فتح اللہ شیرازی، حکیم ابو طالب، حکیم مرزا محمد قلی، سلیم تہرانی، عنایت خان آشنا، مرزا ابو القاسم وغیرہ شامل ہیں جو سری نگر کے قریب مزار الشعراء میں آسودہ خاک ہیں۔ کشمیر کے مقامی شعراء نے ان ایرانی شعراء کی تخلیقی صلاحیتوں سے خوب خوب استفادہ کیا جس سے ان کے فن کو پختگی اور جلا ملی۔ اس دور کے کشمیری شعراء میں ذہنی، فطرتی، ملا ندیمی اور ملا فصیحی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''(۱۰)

اکبر کے بعد جہانگیر ہندوستان کے تخت و تاج کا وارث بنا۔ جہانگیر بھی اپنے باپ کی طرح حسن کشمیر کا دلدادہ اور شعر و ادب کا رسیا تھا۔ وہ خود بھی شعر کہتا اور شعراء کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ تزک جہانگیری اس کی علم دوستی اور کشمیر سے وابستگی کا ثبوت ہے۔

تزک سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر متعدد بار کشمیر آیا۔ ایک بار وہ مسلسل چھے ماہ تک یہاں قیام پذیر رہا اس کے ساتھ بھی شعراء اور علماء کی ایک جماعت ہوتی۔ ان درباری شعراء میں طالب آملی اور عرفی جیسے نامور شعراء بھی ہوتے۔ ان شعراء کی کشمیر آمد اور نغمہ سنجی نے بھی کشمیری شعراء اور علماء کے ذوق کو نکھارنے میں خاص کام کیا۔ اس دور کے کشمیری شعراء میں حبیب اللہ حبی کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ پروفیسر عبد القادر سروری اپنی تصنیف ''کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

> ''حبی دو کتابوں ''راحت القلوب'' اور ''تنبیہہ القلوب'' کے مصنف ہیں اور یہ دونوں کتابیں تصوف کی ہیں۔ انہوں نے ۱۶۰۴ء میں اپنے استاد شیخ یعقوب صرفی کی سوانح حیات بھی لکھی جو ''مقامات حضرت ایشان'' کے نام سے موسوم ہے۔ حبی نے فارسی میں ایک دیوان بھی چھوڑا ہے جس میں غزلوں کے علاوہ قصیدے، رباعیاں اور قطعات بھی شامل ہیں۔'' (۱۱)

حبی کا فارسی دیوان آزاد کشمیر اور پاکستان کے کسی کتب خانے میں دستیاب نہیں ہے البتہ ان کا کلام مختلف تذکروں اور تاریخوں میں تواتر سے ملتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے:

ای کہ! بہشت بریں، بی تو عذابم عذاب　　آتش دوزخ ہمہ، با تو گلابم گلاب

گرمی شوقت، چہ کرد! نرمی ذوقت، چہ کرد!　　سینہ کبابم کباب، دیدہ پر آبم پر آب

بی تو سرو و نہ گلی، بی تو نہ جام و نہ ملی　　بی تو، کدامست ماہ، بی تو کدام آفتاب

حبی بیچارہ بین! اشک فشان بر زمین　　کردہ زراعت چنین، زدست طعام و شراب (۱۲)

کشمیر کے بہت سے فارسی شاعر اپنے فنی کمال و ندرت کے باعث کشمیر کا سرمایہ اور اثاثہ ہیں۔ لیکن مغلیہ عہد میں سرزمین کشمیر میں ایک ایسا سخن سنج بھی پیدا ہوا جس کی شہرت کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں اور کہساروں کو پھلانگ کر ہندوستان و ایران تک جا پہنچی۔ یہ

صاحب کمال اور درویش صفت شاعر عہد اورنگزیب کا درخشندہ ستارہ غنی کاشمیری کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کی کرنیں آج بھی فن شاعری کے لئے راہنمائی کا درجہ رکھتی ہیں۔ غنی اپنے وقت کے نامور عالم اور شاعر ملا محسن فانی کے شاگرد تھے لیکن بقول پروفیسر عبد القادر سروری:

> ''فانی کے شاگردوں میں ملا عمر طاہر غنی کو جو مرتبہ حاصل ہوا وہ نہ صرف فانی کے دوسرے شاگردوں بلکہ کشمیر کے فارسی شعراء میں کسی کو کم حاصل ہو سکا۔ شاعری میں غنی کی شہرت نے فانی کو بھی باوجود ان کے علم و فضل پس منظر میں ڈال دیا۔ یہ قبول خاطر و لطف سخن کی بات ہے۔ تاہم یہ بھی درست ہے کہ غنی کے مخصوص انداز فکر نے کشمیر میں فارسی شاعری کے معیار کو اتنا بلند کر دیا کہ کشمیر کا شمار بھی فارسی ادب اور شاعری کے اہم مرکزوں میں ہونے لگا۔''(۱۳)

ڈاکٹر صابر آفاقی نے بجا لکھا ہے کہ:

> ''میرا نظریہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند نے فارسی کے پانچ ہی شاعر پیدا کئے ہیں۔ امیر خسرو، عبد القادر بیدل، مرزا غالب، اقبال اور پانچویں غنی کاشمیری۔''(۱۴)

غنی کا یہی شاعرانہ عظمت اور کمال ہے جس کے باعث علامہ اقبال جیسا سخن ور اور سخن شناس بھی ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اقبال کشمیر کی جن شخصیات سے خاص طور پر متاثر تھے اور جن کا احترام کرتے ہیں ان میں سلطان شہاب الدین، سید علی ہمدانی اور غنی کاشمیری سرفہرست ہیں۔ اقبال نے ۱۸۹۶ء میں ''انجمن کشمیری مسلمان لاہور'' کے اجلاس میں قطعات پڑھے ان میں وہ قطعہ بھی شامل ہے جو غنی کے اس شعر پر گرہ لگا کر کہا گیا ہے:

هر که پابند وطن میکشد آزار ها
پای گل اندر چمن دایم پرست از خار ها (۱۵)

اقبال کا قطعہ یہ ہے:

ظلم سہتے ہیں وطن اپنا نہ جن سے چھٹ سکا
شکوہ حکام پھر اے دل نہیں تیرا بجا
کیا عجب کشمیر میں رہ کر جو ہے ان پر جفا
پای گل اندر چمن دایم پر ست از خار ہا

اسی طرح بانگ درا کی معروف نظم ''خطاب بہ جوانان اسلام'' (١٦) غنی کے اس شعر پر تضمین ہے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را (١٧)

غنی کو یہ امتیاز و افتخار بھی رہا ہے کہ وہ درباری پن، بادشاہوں کی جبہ سرائی اور دنیاوی جاہ و جلال سے بے نیاز تھا۔ غنی کے متعلق یہ روایت اکثر محققین نے نقل کی ہے کہ جب وہ گھر کے اندر ہوتا تو دروازہ بند رکھتا اور جب گھر سے باہر جاتا تو دروازہ کھلا چھوڑ جاتا، کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

''مکان کی متاع بے بہا تو میں ہوں، میں نہ ہوں گا تو مکان کے دروازے بند کرنا بے سود ہے۔''

غنی کے اس جواب کو شاعر مشرق نے یوں منظوم کیا ہے:

غنی آن سخنگوئے بلبل صفیر — نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر
چو اندر سرا بود، دربستہ داشت — چو رفت از سرا تختہ را وا گذاشت
یکے گفتش اے شاعرِ دل رسے — عجب دارد از کارِ تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر — فقیر و باقلیمِ معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاراں رواست — دریں خانہ جزمن متاعے کجاست
غنی تانشیند بہ کاشانہ اش — متاعے گرانے ست در خانہ اش

چو آں محفل افروز در خانہ نیست تہی ترا زیں، ہیچ کاشانہ نیست(۱۸)

محمد افضل سرخوش ''کلمات الشعراء'' میں لکھتے ہیں:

''محمد طاہر غنی صاحب طبع عالی بود، پایہ سخنوری رابدرجہ کمال رساند از خطہ کشمیر بلکہ از قلیم ہند ہمچو او خوش خیال ، نازک بند، معنی یاب، برنخاستہ۔''(۱۹)

غنی کے اسی فقر و استغناء کے باعث علامہ اقبال جاوید نامہ میں انہیں ''شاعر رنگین نوا'' باطن غنی، ظاہر غنی اور مست مدام کا خطاب دیتے ہیں۔

شاعر رنگین نوا طاہر غنی
فقر او باطن غنی، ظاہر غنی

غنی کی ذہانت اور فن کاری کی ایک مثال مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی ''تذکرہ غنی'' میں یوں کرتے ہیں:

''ایک دن مرزا صائب کہیں سیر کو گیا ہوا تھا۔ اس کی بیاض غنی کے پاس پڑی تھی۔ ایک عقیدت مند غنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیاض اٹھا کر دیکھنے لگا۔ ایک جگہ شعر کا پہلا مصرعہ تلف تھا۔ دوسرا مصرعہ اس طرح تھا۔

کہ از لباس تو بوی کباب می آید

اس نے غنی سے پوچھا کہ اس کا پہلا مصرعہ کیا ہونا چاہئے۔ غنی نے بلا تامل فرمایا:

کدام سوختہ جان دست زد بد امانت
کہ از لباس تو بوی کباب می آید

اس شخص نے مصرعہ بیاض میں لکھ دیا جب مرزا صائب واپس آیا اور مصرعہ دیکھ کر اصل حال سے واقف ہوا تو اس نے کہا کاش! یک مصرعہ نگاشتی و تضمینش ملا غنی می کر دی۔''(۲۰)

محمد عبداللہ قریشی اپنے مضمون کشمیر میں فارسی شاعری میں لکھتے ہیں:

''غنی اگر چہ کشمیر میں پیدا ہوا تھا مگر اس کے دیوان پر اہل زبان کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس کا کلام زبان کی خوبی، بندش کی چستی، محاورات کے درست استعمال اور بے ساختہ پن کی وجہ سے اپنے تمام ہم عصروں سے ممتاز ہے۔ اس کی غزلیں ہموار، متین اور ہر قسم کے سوقیانہ خیالات اور متبذل مضامین سے پاک ہیں۔ اس کا فلک پیما تخیل اتنی بلندی پر پہنچا ہے کہ عام شاعر اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ صائب اس کی غزل لکھتا ہے اور اس کا نام مقطع میں اس طرح لاتا ہے۔''

''ایں جواب آں غزل صائب کہ می گوید غنی۔''(۲۱)

مرزا صائب ایران کا نامور شاعر تھا۔کہا جاتا ہے کہ وہ غنی کی شہرت اور شاعری سے متاثر ہو کر غنی سے ملاقات کے لئے کشمیر آیا تھا۔

کشمیر میں مغلوں کے تسلط کے خاتمے کے بعد افغان برسر اقتدار آئے۔ افغان بھی فارسی شعر و ادب کی روایت کے امین بنے۔ اس عہد میں راج سنگھ جیون کی خدمات کا تذکرہ ملتا ہے۔ جو باقاعدہ مشاعروں کا اہتمام کرتا تھا۔ پھر پنڈت دیا رام کاچر خوشدل بھی شعر وسخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ افغان عہد کے آخری سالوں میں میر احسن اللہ خان راضی نے بھی خاصی شہرت پائی جنہوں نے ایک شہر آشوب نظم یادگار چھوڑی۔ کشمیر میں افغان دور کے خاتمے کے ساتھ ہی فارسی کی تمازت ماند پڑنے لگی۔ سکھ حکمران ادبی ذوق سے تہی اور کور مغز تھے چنانچہ اہل علم وفن کی قدر دانی مفقود ہو گئی۔ ڈوگرہ عہد میں دیوان کرم نامی درباری نے ''گلاب نامہ'' کے عنوان سے گلاب سنگھ کی سوانح عمری لکھی لیکن مجموعی طور پر علم و ادب کے سوتے خشک ہوتے رہے اور بالآخر نوبت بایں جا رسید کہ کشمیر میں فارسی کا وہ چراغ گل ہو گیا جس کی لو سے اہل ایران بھی حرارت اور رہنمائی حاصل کرتے رہے۔

حوالہ جات

۱۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، عکس کشمیر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰ء ص نمبر ۹

۲۔ پریم ناتھ بزاز، پنڈت، تاریخ جدوجہد آزاد کشمیر مترجم عبد المجید نظامی، ویری ناگ پبلشرز میر پور ص ۱۰۲

۳۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، عکس کشمیر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰ء ص نمبر ۱۰

۴۔ ابو حامد مسکین امرتسری، تحائق الابرار (تاریخ کبیر) جلد اول مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۲ھ

۵۔ محمد عبداللہ قریشی، مضمون بعنوان کشمیر میں فارسی شاعری، مطبوعہ ایران کبیر و ایران صغیر مرتبہ یعقوب ہاشمی صفحہ نمبر ٦٦

٦۔ یوسف شاہ اور حسین شاہ کا دیوان دستیاب نہیں ہے، تاریخ حسن جلد دوم مولفہ پیر غلام حسین مطبوعہ سری نگر، تاریخ بڈ شاہی، محمد دین فوق، محمد عبد اللہ قریشی، پروفیسر بد القادر سروری پروفیسر، اور متعدد دیگر مستند مصنفین نے ان شعراء کو کلام کو نقل کیا ہے۔

۷۔ عبد القادر سروردی پروفیسر، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ، کلچرل اکیڈمی سری نگر، ۱۹۷۹ء ص ۱۰۰

۸۔ محمد عبداللہ قریشی، مضمون بعنوان کشمیر میں فارسی شاعری، مطبوعہ ایران و کبیر و ایران صغیر مرتبہ یعقوب ہاشمی ص ٦٦

۹۔ خزانہ عامرہ، مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۸۷۱ء ص ۲٦۷

۱۰۔ عبد القادر سروردی، پروفیسر، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ، کلچرل اکیڈمی سری نگر،

۱۹۷۹ء ص ۱۰۰

۱۱۔ ایضاً ص ۱۰۵

۱۲۔ حسام الدین راشدی، سید، تذکرہ شعرای کشمیر، بخش اول اقبال اکادمی کراچی ص ۲۰۷

۱۳۔ عبد القادر سروردی پروفیسر، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ، کلچرل اکیڈمی سری نگر، ۱۹۷۹ء ص ۱۳۸، ۱۳۹

۱۴۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر، عکس کشمیر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰ء ص نمبر ۱۰

۱۵۔ دیوان غنی از ملا محمد عامر غنی کشمیری، تصحیح شدہ دیوان از علی جواد زیدی، جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز سری نگر ۱۹۴۶ء ص ۷۱

۱۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۸ طبع سی پنجم ص ۱۸۰

۱۷۔ ایضاً نمبر ۱۵ ص ۵۸

۱۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر پیام مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۸ طبع سی پنجم ص ۱۳۷

۱۹۔ سرخوش محمد افضل، کلمات الشعراء (ف ۱۱۲۷ ھ) ص ۸۳

۲۰۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی، مولانا غنی، ندارد صفحہ ۳۳ سی روایت کو عبد اللہ قریشی نے بھی نقل کیا ہے۔

۲۱۔ ایضاً ص ۳۴۔

پای گل اندر چمن دایم پرست از خارہا (۱۵)